مؤلف: ڈاکٹر محمد رفیع الدین
مترجم: ڈاکٹر ابصار احمد

منشورِ اسلام

ارتقاء کی نفسیاتی سطح پر تبدیلیاں

انسانی ارتقاء دو سطحوں پر ہوا ہے: ایک خالصتاً حیوانی سطح پر جس میں فطرت نے حیاتیاتی اصولوں یعنی انواع میں لمبے عرصے پر محیط تغیّر و تبدّل یا فوری تبدیلیوں کے تحت ارتقائی صورتیں اختیار کیں۔ دوسرے نفسیاتی سطح پر جس کی اعلیٰ ترین ارتقاء یافتہ شکل نبوّت ہے۔ مؤخر الذکر ارتقاء پہلی نوع کے ارتقاء ہی کی ایک مختلف سمت میں ترقی پذیری کی صورت ہے۔ شعور (یعنی خالقِ کائنات کی وہ قوّت جو کائنات میں جاری و ساری ہے) کی یہ خصوصیت ہے کہ ناساعدت اور مخالفت سے اس کی فعّالیت بڑھتی ہے۔ اسے جب کبھی یہ احساس ہوتا ہے کہ اسے حد درجہ مخالفت درپیش ہے تو اس صورت میں وہ دفعتاً ایک غیر معمولی ارتقائی قدم اُٹھاتے ہوئے ایک زقند لگاتی ہے۔ حیوانی دنیا میں شعور کی اس قسم کی مساعی نے انواع میں اچانک تبدیلیوں کی شکل اختیار کی ہے، گویا بالکل معجزانہ طور پر ماقبل نوع کی ایک ترقی یافتہ اور مختلف نوع میں تبدیلی۔ عالمِ انسانی میں رکاوٹ اور مخالفت کے دوران شعور جب ایک غیر معمولی زقند لگاتی ہے تو اس صورت میں خود شعوری سے لبریز ایسے انسان معرضِ وجود میں آتے ہیں جنہیں ہم انبیاء کہتے ہیں۔ جب کسی معاشرے کے اعتقاد اور کردار میں اتنی پستی آجائے کہ وہ صحیح نصب العین کے تقاضوں کے خلاف کھلی بغاوت کرے تو اس کیفیت میں ارتقاءِ انسانی کی سطح پر شعور کو مخالفت کا سامنا ہوتا ہے اور وہ اس کا مقابلہ ایک غیر معمولی سعی سے کرتی ہے اور نتیجۃً اس معاشرے میں ایک ایسا شخص ظاہر ہوتا ہے جسے فطرت نے خود شعوری کا ایک خاص عطیہ عنایت کیا ہوتا ہے اور اس میں نصب العین

کی محبّت بتمام وکمال ہوتی ہے۔ وہ لوگوں کی صحیح نصب العین کی طرف راہنمائی کرتے ہوئے ان کے دلوں میں اس کی اطاعت کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور انہیں ازسرِ نو ارتقاء کے راستے پر ڈالتا ہے ایسا شخص منصب نبوّت کا حامل ہوتا ہے۔ اخلاقی طور پر تنزّل پذیر معاشرے میں کسی نبی کی اچانک بعثت ایسی ہی ہے جیسے اس جگہ طوفان کا آنا جہاں فضا میں ہوا کا دباؤ بہت کم ہو جائے یا جیسے کسی بیماری کے پیشِ نظر کسی جاندار ہستی کا ایسا غیر ارادی فعل جس سے دوبارہ صحت بحال ہو جائے۔

اس ضمن میں دوسرا سوال[1] جو قاری کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے، یہ ہے کہ کیا تمام انبیاء مساوی طور پر خود شعوری کا وصف رکھتے ہیں ؟ اگر ایسا ہے تو پھر ان کی تعلیمات میں فرق و تفاوت کیوں ہے باوجودیکہ ان کی تعلیمات کی بنیاد ایک ہی ہے ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انتہا درجے کی خود شعوری رکھنے کے اعتبار سے تمام انبیاء یکساں ہیں اور ان میں کوئی اُونچ نیچ نہیں۔ یہ بھی درست ہے کہ ہر نبی انسانیت کو صحیح نصب العین کے عملی تقاضوں کی تعلیم دیتا ہے لیکن ہر نبی کا علم وعرفان اُس معاشرے کے ذہنی، اخلاقی اور مادی کوائف کے متناسب ہوتا ہے جس میں وہ مبعوث کیا جاتا ہے۔ اس حقیقت کا اظہار بالخصوص کسی بھی نبی کی عملی تعلیمات کے نمونے میں ملتا ہے۔ چنانچہ انبیاء کی تعلیمات میں فرق اسی سبب سے ہے چونکہ مختلف معاشرے مختلف ادوار میں ارتقاء کے مراحل سے گزرتے رہے ہیں اس لیے کسی نبی کے لیے بھی یہ ضروری نہ تھا کہ وہ صحیح نصب العین کا اطلاق زندگی کے ہر گوشے مثلاً قانون، تعلیم، اقتصادیات، جنگ، انفرادی و اجتماعی زندگی وغیرہ کے لیے حتمی اور آخری درجے میں بتائے۔ اس کی تعلیمات معاشرے کی عمومی ارتقائی صُورت کے مطابق ہوتی تھیں۔ چنانچہ خود انبیاء کی تعلیمات میں بھی ارتقاء ہوا ہے تاکہ وہ فرد اور اجتماع دونوں کو اپنے ارتقائی مرحلے کی مناسبت سے راست نصب العین کے لیے راہنمائی فراہم کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بنیاد اور ماخذ کے باوجود انبیاء کی تعلیمات میں فرق و امتیاز ہے۔ یہ فرق مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں

---

[1] اس سلسلے کا پہلا سوال اور اس کا جواب کہ رسالت کی غرض وغایت اور اس کا سبب کیا ہے گزشتہ قسط کے اختتام پر دیکھا جا سکتا ہے، جو اگست ۸۹ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی۔

بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

سوال نمبر ۳: نبوّت کے اختتام یا تکمیل کا کیا سبب ہے؟ اگر نبوت کے ذریعے فطرت ارتقاء کی مدد کرتی ہے تو یہ انسان کے ارتقاء کے آخری مراحل سے قبل کیوں منقطع کر دی جاتی ہے؟

جواب: تخلیق کی نفسیاتی سطح پر کسی طبعی نصب العینی معاشرے کی مثال تخلیق کی حیاتیاتی سطح پر کسی طبعی نوع جیسی ہے۔ جس طرح نئی حیاتیاتی نوع کا پہلا فرد ایک مخصوص نوع کے آغاز کا باعث بنتا ہے اسی طرح نفسیاتی سطح پر ایک نئے انسان یعنی نبی کی آمد اور اس کے متبعین ایک مخصوص نصب العینی کمیونٹی کی تخلیق کرتے ہیں۔

حیاتیاتی سطح پر تغیّر و تبدّل کا انقطاع

حیوانی دنیا میں انواع میں فوری تغیّر و تبدّل کا عمل اس وقت ختم ہو گیا جب ایسا نامیاتی وجود منصّۂ شہود پر آ گیا جس میں از خود مستقبل میں ارتقاء کے تمام امکانات موجود تھے یعنی جس کا دماغ اتنا ترقی یافتہ تھا کہ وہ شعور میں موجود گوناں گوں عواطف و میلانات کے اظہار کے قابل تھا، اور مستقبل میں ان کے ارتقاء کی ضمانت بھی دے سکتا تھا۔ ایسے نامیاتی وجود کا کامل ترین نمونہ حیاتِ انسانی ہے۔ اس نوع کے متشکّل ہونے کے بعد شعور نے یہ ضرورت محسوس نہیں کی کہ وہ کسی اور اعلیٰ تر نوع کی صورت گری کے لیے کوئی غیر معمولی جست لگائے، کیونکہ اس کے داخلی ارتقاء کے لیے کوئی بندش اور تحدید نہ تھی۔ چنانچہ نئی انواع کے لیے تخلیقی عمل خود بخود منقطع ہو گیا۔

نظریاتی سطح پر تغیّر و تبدّل کا انقطاع

بالکل اسی طرح عالمِ انسانی میں اس کے متوازی مظہر یعنی نبوّت کو بھی منقطع ہونا چاہیئے۔ اور بالفعل یہ اُس وقت ہوا جب ایسے نبیؐ کی بعثت ہوئی جس کی تعلیمات ہر اعتبار سے مکمل تھیں، نفسیاتی اور نظریاتی ہر دو اعتبار سے مستقبل میں تمام مواقع کے لیے راہنمائی فراہم کر سکتی تھیں، اور فطری انسانی صلاحیت کو انسانی زندگی کے جملہ گوشوں میں راست نصب العین سے مربُوط کر سکتی تھیں۔ اس نبیؐ کی اپنی عملی مثال پُوری انسانیت کے لیے ہمیشہ کے لیے روشنی کا مینار ہے۔ ظاہر ہے

کہ ایسے نبی کا اسوۂ حیات ایسا ہونا چاہیے جس میں حیاتِ انسانی کے ارتقاء پر کوئی قدغن نہ آئے بلکہ وہ اپنی کامل ترین صورت میں متشکّل ہو سکے۔ ایسے نبی کے اسوہ کا اتباع معاشرے کے عمومی ارتقاء میں نہ صرف ممد ہوتا ہے، بلکہ اسے اوجِ ثریا تک پہنچا دیتا ہے۔ اس نبی کی بعثت کے بعد کسی اور نبی کے آنے کی چنداں حاجت نہیں رہتی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں نہ صرف نبوّت کی تکمیل ہوئی، یہ اختتام پذیر بھی ہوئی۔ آپؐ کی تعلیمات میں بالقوہ یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ تاقیامِ قیامت انسانیت کے ہمہ جہتی ارتقائی عمل کے لیے راہنمائی دے سکے اور انفرادی یا اجتماعی زندگی کے کسی گوشے میں بھی رکاوٹ یا جمود کا باعث نہ بنے۔ اب یہ آنحضورؐ کی اُمّت کا فرض ہے کہ وہ ان تعلیمات کا نور چار دانگِ عالم میں پھیلائے اور پُوری دنیا میں حق کا بول بالا کرے۔ اور اسی آخری فطری ہدایت کے لیے مقدّر ہے کہ وہ پُورے عالم پر چھا جائے جس طرح حیوانی عالم کے ارتقائی تغیّر و تبدّل میں انسان کا ظہور اس امر کا اعلان تھا کہ وہ اپنی نوعی اور دماغی افضلیت کی وجہ سے اپنے اقتدار کا سکہ پُورے حیاتیاتی عالم پر جمائے گا، اسی طرح نبی آخر الزماںؐ و خاتم الانبیاء کے پیروکار اپنی فکری و نظری فضیلت کی بنا پر پُوری دنیا پر حکومت کرنے کے اہل ہونگے۔

تکمیل و اختتام : عمومی فطری قانون

شعور یا حیات کا نبوّت کا سلسلہ مکمل کر کے منقطع کر دینا صرف مظہرِ نبوّت سے مختص نہیں ہے، بلکہ یہ ایک عمومی اصُول کے طور پر ہر جگہ کار فرما ہے۔ ہر تخلیقی عمل اپنی انتہائی اور کامل ترین شکل پر پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔ جب کوئی انتہائی صُورت متشکّل ہوتی ہے تو تخلیقی عمل کی ماہیت بدل جاتی ہے اور وہ ایک دوسری سمت میں ارتقائی سفر شروع کر دیتا ہے جس کے لیے پہلی تکمیلی صُورت بمنزلہ بنیاد ہوتی ہے۔ پھر قدم بہ قدم یہ ارتقائی عمل اس جہت کی اکمل ترین صورت کی طرف بڑھتا ہے اور اس طرح یہ عمل سدا رواں دواں رہتا ہے۔

فردِ انسانی کے عملِ نمو میں نقطہ ہائے کمال

ہم اپنی نگاہ فردِ انسانی کے ارتقائی و نموئی عمل سے کائناتی ارتقاء کی طرف لے جائیں تو

ہمیں ان دونوں میں مندرجہ بالا ایک ہی اصُول کارفرما نظر آتا ہے۔

مادی سطح پر ارتقائی عمل اپنے نقطۂ عروج اور تکمیل کو اس وقت پہنچا جب وہ تیاری کے جملہ مراحل سے گزر کر نامیاتی خلیہ پیدا کرنے کے قابل ہوا اور پہلا نامیاتی خلیہ معرضِ وجود میں آیا۔ وہ ارتقائی عمل جو اَب تک باعتبار نوعیّت صرف طبعی یا کیمیائی قسم کا تھا اب بدل کر حرکی یا حیاتیاتی نوعیت اختیار کر گیا۔ بعد میں خود یہ نامیاتی خلیہ ترّقی کرتے کرتے اس قابل ہوا کہ اس کی تکمیل ایک ایسے انسان کی پیدائش کی صُورت میں ہوئی جس کا دماغ مکمل طور پر وضع شدہ تھا اور اس میں نصب العینوں کی محبّت کا جذبہ بھی موجُود تھا۔ پہلا تکمیلی مرحلہ مؤخّر الذکر تکمیلی مرحلے کے لیے شرط لازم تھا کیونکہ انسانی جسم بے شمار نامیاتی خلیوں ہی کا مجموعہ ہے۔ انسان کے وجود میں آنے کے بعد ارتقائی عمل نے اپنی نوعیّت بدلی اور حیاتیاتی سطح سے آگے بڑھ کر نظریاتی یا نفسیاتی سطح پر اپنا سفر جاری رکھا تاآنکہ دنیا میں پیغمبروں یعنی نصب العینی انسانی معاشروں کے اماموں (Leaders) کی آمد ہوئی پھر شعورِ نبوّت میں بھی ارتقاء ہوا حتیٰ کہ آخر میں خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے اور آپؐ نے مکمل ترین نصب العینی کمیونٹی تشکیل دی۔ گویا ارتقاء کا ہر پہلا نقطۂ عروج دوسرے عروج کے لیے بنیاد بنا اور پھر دوسرا تیسرے ارتقائی عمل کے نقطۂ عروج کے لیے بنیاد بنا۔ اور یہ تیسرا نقطۂ تکمیل اُس وقت تک اپنا عمل جاری رکھے گا جب تک کہ پُوری انسانیت من حیث المجموع اپنے نقطۂ کمال تک نہیں پہنچ جاتی۔

خاتم الانبیاء کا دین: بعد کے فکری ارتقاء کی ناگزیر بنیاد

جیسا کہ سطور بالا میں کہا گیا ہے ہمیں فطرت کے تخلیقی عمل میں درجہ بدرجہ نقطہ ہائے کمال نظر آتے ہیں۔ ہر نقطۂ کمال ماقبل ارتقائی عمل کا نقطۂ عروج اور بعد میں وقوع پذیر ہونے والے عمل کے لیے اساس فراہم کرتا ہے۔ ارتقائی عمل کا انداز ایک وحدت کا سا ہوتا ہے یعنی اس کے مختلف اجزاء باہم دگر اتنے مربُوط ہوتے ہیں کہ وہ ایک کُل کی حیثیت سے سرگرم عمل رہتا ہے اور ارتقائی عمل میں مختلف مدارج پر مظاہر اس کُل کے ساتھ ربط کے حوالے سے بامعنی بنتے ہیں۔ اگرچہ یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض مظاہر مرکزی وحدانی ساخت سے مختلف ہوتے ہیں لیکن ان کی

حیثیت ثانوی ہوتی ہے اور اصل اہمیت ان مظاہر ہی کی ہوتی ہے جو اصل ارتقائی شکل سے ہم آہنگ ہوں۔ اس استدلال کا لازمی نتیجہ نہ صرف یہ نکلتا ہے کہ نبوت کو بھی لامحالہ کسی نبی کی ذات تک تکمیل اور اختتام تک پہنچنا ہے، بلکہ یہ بھی کہ اس خاتم الانبیاء کا اسوہ مستقبل میں انسانی حیات کے ہمہ جہتی ارتقاء کے لیے اساس فراہم کرے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ختم نبوت نسل انسانی کی وحدت اور اس کے مسلسل وپیہم ارتقاء کے لیے شرط لازم ہے۔ اگر سلسلہ نبوت کا اختتام نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ نسل انسانی میں نہ وحدت پیدا ہو گی اور نہ ہی اس کے تہذیبی طور پر مستقل نشوونما کی ضمانت ملے گی صرف صحیح نصب العین سے تعلق کی وجہ سے وہ اساس حاصل کی جا سکتی ہے جس کو اپنانے سے پوری نوع انسانی ایک وحدت کی لڑی میں پروئی جا سکتی ہے۔ اور صرف نبی آخر الزماں کی تعلیمات میں وہ جامعیت ہو سکتی ہے جو اس وحدت کو ممکن بنا سکے۔

ذہن انسانی کا زائیدہ مذہب انسانوں کو ایک وحدت میں نہیں پرو سکتا

بعض مفکرین نے انسانوں میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے یہ تجویز پیش کی ہے کہ تمام ادیان عالم کے مشترک نکات کو اکٹھا کر کے ایک نیا مذہب اختراع کیا جائے۔ لیکن اس بات کے علاوہ کہ یہ تجویز عملی مشکلات رکھتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کے خود ساختہ مذہب پر انسانیت نہ کبھی جمع ہو گی اور نہ ہی اسے صحیح معنوں میں اپنائے گی۔ اس قسم کا خود ساختہ مذہب انسان میں معبودِ حقیقی کی محبت پیدا کرنے سے بھی قاصر رہے گا۔ صرف ایک ایسا دین ہی جسے خالق کائنات نے کسی چنیدہ بندے پر اتارا ہو اور اس نبی نے اسے عملاً نافذ کیا ہو ——— لوگوں کے دلوں میں اپنے ربّ کی حقیقی محبت وعبودیت کا جذبہ پیدا کر سکتا ہے۔ وحدتِ ادیان کا فلسفہ اگرچہ تاریخ میں کئی بار پیش کیا گیا ہے، لیکن ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں کہ کسی ایسے فلسفیانہ مذہب کے پیرو کار تعداد میں معتدبہ ہوئے ہوں یا وہ زیادہ عرصے تک قائم رہ سکا ہو۔ کسی بھی ایسے مذہب کے عقیدت مند رفتہ رفتہ اتنے کم ہو جاتے ہیں کہ اس کا وجود بھی تاریخ کے دھندلکوں میں کھو جاتا ہے۔ اس کی مثال ایک ایسے دوغلے جانور کی سی ہے جو اپنی نسل خود قائم نہیں رکھ سکتا۔ ہر ایسا غیر فطری نظریہ حیات جو بذریعہ وحی انسان کو نہ دیا گیا ہو، لامحالہ کسی سیاسی دانشور فلسفی یا روحانی شخص کی طرف سے آئے گا۔

اوراس کے ذہن وفکر کی محدودیت اس میں در آئے گی۔ ایسے مذہب عام طور پر کسی نبی کی جزوی تعلیمات اور فکر انسانی کی آمیزش سے بنائے جاتے ہیں لیکن یہ تاریخی حقیقت ہے کہ ایسے مذاہب اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں بالکل ناکام رہتے ہیں۔ صرف سچے انبیاء کی تعلیمات ہی میں وہ نظریۂ حیات پایا جاتا ہے جو ایک ایسا انسانی معاشرہ ترتیب دے سکے جس میں انسانیت کی بڑی تعداد کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت ہو اور جو انسانی ارتقاء کے لیے لامحدود رفعتوں کی ضمانت دے سکے۔ اور بالخصوص خاتم الانبیاء کی تعلیمات کی نوعیت ایسی ہوتی ہے جس میں تمام خطّوں اور طبائع کے انسانوں کے لیے ہدایت ہوتی ہے اور وہ یہ صلاحیت رکھتی ہیں کہ پوری نوع انسانی کو ایک دینِ حق پر جمع کیا جا سکے۔ چونکہ اس دین میں انسانی شخصیّت کے تمام پہلوؤں سے متعلق راہنمائی ہوتی ہے، اس لیے ارتقاء انسانی کی مکمل ضمانت اس میں دی جاتی ہے۔ اس نبی آخر الزماں سے قبل تمام نبی صرف مخصوص قوموں کی طرف مبعوث کیے جاتے ہیں۔ ان کی تعلیمات کی نوعیت بھی ایسی نہیں ہوتی کہ وہ ہمیشہ کے لیے باقی رہیں۔ گویا ان کی مثال جانوروں کی ان نامکمل طبیعی انواع کی طرح ہے جو حالات کی نامساعدت کی وجہ سے اپنا وجود باقی نہ رکھ سکے اور ناپید ہو گئے۔ خاتم الانبیاء کی تعلیمات کا یہ خاصّہ ہے کہ وہ اپنے ماقبل انبیاء کی تعلیمات کے بنیادی اور مرکزی تصورات کی جامع ہوتی ہیں۔ چنانچہ انبیاء کو دیئے گئے عملی احکامات یعنی شریعتوں میں تو فرق ہوتا ہے لیکن بنیادی نظری تصورات سب میں یکساں ہوتے ہیں اور نبیِّ خاتم کی شریعت اس اعتبار سے جامع اور مکمل ہوتی ہے کہ اس میں تا قیام قیامت انسانیت کے جملہ مسائل کا حل موجود ہے اور رہتی دنیا تک تمام لوگ اس پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔

سوال نمبر ۴: ہمیں نبی آخر الزماں ہی کی پیروی کیوں کرنی چاہیئے اور آپؐ ہی کے بتائے ہوئے طریقۂ عبادات کو کیوں اپنانا چاہیئے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم اصولی طور پر تمام انبیاء کی بنیادی تعلیمات کی پیروی تو کریں لیکن نماز اور عبادات کی ظاہری شکل میں کسی کا اتباع نہ کریں؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ عبادات کا نظام، ان کی شکل اور اوقات ہم اپنی مرضی، حالات اور سہولت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے مقرر کریں؟

جواب: خالقِ کائنات سے محبّت اور ربط و تعلّق کو استوار کرنے کے لیے نبی کی تعلیمات پر من حیث الکل عمل اور اس پر ایمان ناگزیر ہے۔ ہم بحیثیّتِ فرد اور بحیثیّتِ اجتماع اس وقت تک خود شعوری

کا ارتقاء حاصل نہیں کر سکتے جب تک ہم وقت کے نبی کا کامل اتباع نہیں کرتے۔ نبی پر ایمان اور اس کا کامل اتباع گویا ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص اس کے توسّط سے روحانی بالیدگی کی اعلیٰ ترین سطح حاصل کرے۔ جس طرح ایک گرم شئے کو چھُونے سے حرارت دوسری شئے میں منتقل ہوتی ہے یا ایک چراغ کی حرارت دوسرے چراغ کو روشن کر دیتی ہے، اسی طرح نبی سے تعلق اس کے متبعین میں ایمانی نور و حرارت منتقل کرتا ہے۔ نبی اپنی روحانی رفعت کا کچھ حصّہ اپنے صحابہ اور صحابہ بعد کے آنے والے لوگوں میں درجہ بدرجہ منتقل کرتے ہیں۔ گویا عشق و محبّت کا نور پہلے ایک نقطہ پر مرتکز ہوتا ہے اور پھر پورے ماحول کو بقعۂ نور بنا دیتا ہے۔ اور یہ مرکزی نقطہ ہمیشہ کسی نبی کی ذاتِ مبارکہ ہوتی ہے۔

اس حقیقت کی تعبیر یُوں بھی کی جا سکتی ہے کہ سلسلۂ نبوت ایک حیاتیاتی ضرورت ہے جو حیاتیاتی سطح پر جوشِ حیات اپنے انواع کی کثرت، مخالف جنسوں میں کشش اور اختلاط سے حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ تمام بنی نوع انسان کے افراد ایک ہی انسانی جوڑے کی اولاد ہیں اور یہی سبب ہے کہ وہ سب جسمانی ساخت اور اعضاء کی بناوٹ میں مماثلت رکھتے ہیں۔ جوشِ حیات کے پھیلاؤ کا عمل نفسیاتی سطح پر بھی جاری رہتا ہے اور وہ یوں کہ قافلۂ انسانیت کے کچھ افراد نبوت سے سرفراز کیے گئے ہیں اور لوگ فطری طور پر ان کے طریقے اپنا کر روحانی و نفسیاتی بالیدگی حاصل کرتے ہیں۔ گویا نظریاتی اعتبار سے نبی کی حیثیّت اپنے امتیوں کے لیے جدِّ امجد کی ہوتی ہے اور وہ سب اس کا اتباع کر کے دین سے رشتہ استوار کرتے ہیں۔ معاشرت، قانون اور اخلاق میں ایک جیسے قوانین پر عمل کر کے ان سب میں ایک وحدت کا احساس پیدا ہونا فطری ہے۔ جس طرح ایک نامیاتی خلیہ دوسرے نامیاتی خلیے کو جنم دیتا ہے، اسی طرح نظریاتی عالم میں ایک نبی کی دعوت دوسرے نبی کی تعلیم و دعوت کی بنیاد بنی تا آنکہ اس سلسلہ کے اختتام پر نبی آخر الزماںؐ کی دنیا میں آمد ہوئی۔

جو شخص مکمل طور پر اور غیر مشروط طور پر نبی پر ایمان لا کر اس کا اتباع کرتا ہے، وہ گویا ایک طرح سے نئی زندگی کا آغاز کر کے نفسیاتی اور نظریاتی اعتبار سے ترقی و کمال کی شاہراہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ اس شخص کی مثال اس جنین کی سی ہے جو ایک دَور میں مکمل طور پر اپنی ماں پر انحصار کرتا ہے اور پھر اپنی جُداگانہ زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ پھر جس طرح بچّہ آغاز میں اپنی ماں کے دُودھ سے غذا حاصل کرتا ہے، اسی طرح ایک صاحبِ ایمان و یقین نبی کے کامل و اکمل اسوہ پر عمل کر کے اور اس کے علم و

عرفان سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے روحانی سفر کا آغاز کرتا ہے۔ نبی کے بتائے ہوئے اوامر و نواہی پر وہ مسلسل عمل جاری رکھتا ہے حتیٰ کہ وہ اسے خارج سے ٹھونسے ہوئے احکام نہیں بلکہ خود اپنے دل کی آواز اور فطرت کا تقاضا محسوس ہونے لگتے ہیں اور نبی کا بتایا ہوا خیر و شر کا فرق اسے اپنے باطن سے اُبھرتا معلوم ہوتا ہے۔ اس کیفیت کو حاصل کر لینے کے بعد نبی کی اطاعت اسے چنداں گراں نہیں گزرتی بلکہ اس کے دل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شدید محبّت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ روحانی ارتقار کے اس مرحلے پر وہ اپنے کردار و اعمال اور شب و روز کے معمولات میں نبی اکرمؐ سے اسی طرح کی کامل مشابہت اختیار کر لیتا ہے جیسی ایک باپ اور بیٹے کے مابین ہوتی ہے۔ بالفاظِ دیگر نبی کے مخلص اور حقیقی متبعین اس کی نظریاتی اولاد کی مانند ہوتے ہیں۔

خالقِ کائنات کا پیغام — نوعِ انسانی کے نام

قرآن مجید، فرقانِ حمید

کے علم و حکمت سے واقفیت حاصل کرنے اور یہ جاننے کے لیے کہ ہمارا دین ہم سے چاہتا کیا ہے!

ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی

کے دروس قرآن اور خطاباتِ عام

کے پانچ سو سے زائد آڈیو / ویڈیو کیسٹس سے

بالکل مفت استفادہ کیجئے

نشر القرآن کیسٹ لائبریری

۳۶ رسوک سنٹر۔ نیو گارڈن ٹاؤن لاہور۔ فون : ۸۵۷۵۷۳